

الْمَائِدَةُ

نَامٌ

اس سورہ کا نام پندرھویں رکوع کی آیت ۶۱ میں یعنی **أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْنَا مَا إِنَّا مِنَ السَّمَاءِ كَلِّهِ مَا نَدَهُ** سے ماخوذ ہے۔

زَمَانَةُ نَزْوُلٍ

سورہ کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حدیبیہ کے بعد ۲۶ بھری کے اوآخر یا بھری کے اوائل میں نازل ہوئی ہے۔ ذی القعدہ ۶ بھری کا واقعہ ہے کہ نبی ﷺ چودہ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش نے عداوت کے جوش میں عرب کی قدیم ترین نمہبی روایات کے خلاف آپ کو عمرہ نہ کرنے دیا اور بڑی رذو کد کے بعد یہ بات قبول کی کہ آئندہ سال آپ زیارت کے لیے آسکتے ہیں۔ اس موقع پر ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کو ایک طرف تو زیارت کعبہ کے لیے سفر کے آداب بتائے جائیں اور دوسری طرف انہیں تاکید کی جائے کہ دشمن کافروں نے ان کو عمرہ سے روک کر جو زیادتی کی ہے اس کے جواب میں وہ خود کوئی ناروازی زیادتی نہ کریں، اس لیے کہ بہت سے کافر قبیلوں کے حج کاراتستہ اسلامی مقبوضات سے گزرتا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس طرح انہیں زیارت کعبہ سے روکا گیا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو روک دیں۔

شان نزول

سورہ آل عمران اور سورہ نساء کے زمانہ نزول سے اس سورہ کے نزول تک پہنچتے پہنچتے حالات میں بہت بڑا تغیر واقع ہو چکا تھا۔ یا تو وہ وقت تھا کہ جنگ احمد کے صدمہ نے مسلمانوں کے لیے مدینہ کے قریبی ماحول کو بھی پر خطر بنادیا تھا، یا اب یہ وقت آگیا کہ عرب میں اسلام ایک ناقابل تکثیر طاقت نظر آئے لگا اور اسلامی ریاست ایک طرف خجد تک، دوسری طرف حدود شام تک، تیسرا طرف ساحل بحر احمر تک اور چوتھی طرف مکہ کے قریب تک پھیل گئی۔ اب اسلام محض ایک عقیدہ و مسلک ہی نہ تھا جس کی حکمرانی صرف دلوں اور دماغوں تک محدود ہو، بلکہ وہ ایک ریاست بھی تھا جس کی حکمرانی عملًا اپنے حدود میں رہنے والے تمام لوگوں کی زندگی پر محيط تھی۔

پھر ان چند برسوں میں اسلامی اصول اور نقطہ نظر کے مطابق مسلمانوں کی اپنی ایک مستقل تہذیب بن چکی تھی

جو زندگی کی تمام تفصیلات میں دوسروں سے الگ اپنی ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ اخلاق، معاشرت، تمدن، ہر چیز میں اب مسلمان غیر مسلموں سے بالکل ممیز تھے۔ اسلامی زندگی کی ایسی مکمل صورت گری ہو جانے کے بعد غیر مسلم دنیا اس طرف سے قطعی مایوس ہو چکی تھی کہ یہ لوگ، جن کا اپنا ایک الگ تمدن بن چکا ہے، پھر بھی ان میں آ ملیں گے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے تک مسلمانوں کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ کفار قریش کے ساتھ ایک مسلسل کشمکش میں الجھے ہوئے تھے اور انہیں اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس رکاوٹ کو حدیبیہ کی ظاہری شکست اور حقیقی فتح نے دور کر دیا۔ اسے ان کو نہ صرف یہ کہ اپنی ریاست کے حدود میں امن میسر آ گیا، بلکہ انی مہلت بھی مل گئی کہ گرد و پیش کے علاقوں میں اسلام کی دعوت کو لے کر پھیل جائیں۔

مباحث

یہ حالات تھے جب سورہ مائدہ نازل ہوئی۔ یہ سورہ حسب ذیل تین بڑے بڑے مضمایں پر مشتمل ہے:

(۱) مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے متعلق مزید احکام و ہدایات۔ اس سلسلہ میں سفر حج کے آداب مقرر کیے گئے، شعائر اللہ کے احترام اور زائرین کعبہ سے عدم تعریض کا حکم دیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کے قطعی حدود قائم کیے گئے اور دور جاہلیت کی خود ساختہ بندشوں کو توڑ دیا گیا، اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی، وضو اور غسل اور تیم کے قاعدے مقرر کیے گئے، بغاوت اور فساد اور سرقہ کی سزا کیلیں معین کی گئیں، شراب اور جوئے کو قطعی حرام کر دیا گیا، قسم توڑ نے کا کفارہ مقرر کیا گیا، اور قانون شہادت میں مزید چند دفعات کا اضافہ کیا گیا۔

(۲) مسلمانوں کو نصیحت۔ اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ بن چکے تھے، اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے بار بار نصیحت کی گئی کہ عدل پر قائم رہیں، اپنے پیش رو اہل کتاب کی روشن سے بھیں، اللہ کی اطاعت و فرماد برداری اور اس کے احکام کی پیروی کا جو عہد انہوں نے کیا ہے اس پر ثابت قدم رہیں۔

(۳) یہودیوں اور عیسائیوں کو نصیحت۔ یہودیوں کا زور اب توتھا اور شمالی عرب کی تقریباً تمام یہودی بستیاں مسلمانوں کے زر نگذیں آ گئی تھیں۔ اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط رویہ پر متنبہ کیا گیا ہے اور انہیں راہ راست پر آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز چونکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے عرب اور متصل ممالک کی قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع نکل آیا تھا اس لیے عیسائیوں کو بھی تفصیل کے ساتھ خطاب کر کے ان کے عقائد کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور انہیں نبی عربی پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

۱۰۰ (۵) سُورَةُ الْمَاعِدَةِ (۱۱۲) رَكُونَعَهَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُهُودِ طَوْلَتْ لَكُمْ بَهِيمَةٌ
الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يَتَلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحْلِي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ طَ
إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَابِرَ

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور حرم فرمانے والا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پوری پابندی کرو۔^[۱] تمہارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے، سو ائے ان کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے۔ لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کرلو،^[۲] بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔^[۳] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا پرستی کی نشانیوں کو [۱] یعنی ان حدود اور قیدوں کی پابندی کرو جو اس سورہ میں تم پر عائد کی جا رہی ہیں، اور جو بالعموم خدا کی شریعت میں تم پر عائد کی گئی ہیں۔ اس مختصر سے تمہیری جملے کے بعد ہی ان بندشوں کا بیان شروع ہو جاتا ہے جن کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔

[۲] ”انعام“ (مویشی) کا لفظ عربی زبان میں اوتھ، گائے، بھیڑ اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ اور ”بیہم“ کا اطلاق ہر چرخے والے چوپائے پر ہوتا ہے۔ مویشی کی قسم کے چونہ چوپائے تم پر حلال کیے گئے۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب چونہ جانور حلال ہیں جو مویشی کی نوعیت کے ہوں۔ یعنی جو کچیاں نہ رکھتے ہوں، جیوانی غذا کے بجائے نباتی غذا کھاتے ہوں، اور دوسرا جیوانی خصوصیات میں مویشیوں سے مماثلت رکھتے ہوں۔ نیز اس سے اشارہ یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وہ چوپائے جو مویشیوں کے برکش کچیاں رکھتے ہوں اور دوسرے جانوروں کو مار کر کھاتے ہوں، حلال نہیں ہیں۔ اسی اشارے کو نبی ﷺ نے واضح کر کے حدیث میں صاف حکم دے دیا کہ درندے حرام ہیں۔ اسی طرح حضور نے ان پرندوں کو بھی حرام قرار دیا جن کے پنجے ہوتے ہیں اور جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں یا مردار خور ہوتے ہیں۔

[۳] ”احرام“ اُس فقیر ان لباس کو کہتے ہیں جو زیارت کعبہ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ اس لباس میں صرف ایک تہہ بند ہوتا ہے اور ایک چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے۔ اسے احرام اس لیے کہتے ہیں کہ اسے باندھنے کے بعد آدمی پر بہت سی وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو معمولی حالات میں حلال ہیں، مثلاً حجامت، خوشبوکا استعمال، ہر قسم کی زینت و آرائش اور قضاۓ شہوت وغیرہ۔ انہی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کو بہلک نہ کیا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ کسی کو شکار کا پتہ دیا جائے۔

[۴] یعنی اللہ حاکم مطلق ہے، اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اس کے احکام میں چون وچار کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر منی ہیں، لیکن بندہ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس دینیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا نبی بر مصلحت سمجھتا ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔ قرآن پورے زور کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ اشیاء کی حرمت وحدت کے لیے مالک کی اجازت و عدم اجازت کے سوا کسی اور بنیاد کی قطعاً ضرورت نہیں، اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خدا جس کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز۔

اللَّهُ وَلَا الشَّهْرُ الْحَرَامُ وَلَا الْهَدَىٰ وَلَا الْقَلَبُ وَلَا آمِينَ
الْبَيْتُ الْحَرَامُ يَنْتَعُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَّتُمْ
فَاصْطَادُوا وَلَا يَجِدُ مِنْكُمْ شَنَآنٌ قَوْمٌ أَنْ صَدَ وَكُفِّرُ عَنِ الْمَسْعِيدِ

[۵] بے حرمت نہ کرو — حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال نہ کرو، قربانی کے جانوروں پر دوست درازی نہ کرو، ان جانوروں پر باتحنہ ذوالوہجن کی گردنوں میں مذر خداوندی کی علامت کے طور پر پڑے پڑے ہوئے ہوں، نہ ان لوگوں کو چھیڑ جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محترم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہوں۔ ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو شکار تم کر سکتے ہو — اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بن دکر دیا ہے تو اس پر تمہارا

[۵] ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلانے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اتنا مپ حکومتوں کے شعار ہیں اور وہ اپنے حکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب میسیحیت کے شعائر ہیں۔ چونکی اور نار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپاں وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانی اشتراکیت کا شعار ہے۔ سو اسیکا آریںل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے بیرونیوں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتاد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔

"شعار اللہ" سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے مقابل خاص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطیکہ ان کا نسیانی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شعار اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانہ میں دیا گیا تھا جب کہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی، مکہ پر مشرکین قابض تھے، عرب کے ہر حصے سے مشرک قبائل کے لوگ جن وزیارت کے لیے کعبہ کی طرف جاتے تھے اور بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہیں، تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہیں، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، کیونکہ ان کے مگرے ہوئے مذہب میں خدا پرستی کا جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا۔

[۶] "شعار اللہ" کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد چند شعائر کا نام لے کر ان کے احترام کا خاص طور پر حکم دیا گیا کیونکہ اس وقت جنگی حالات کی وجہ سے یہاں یہ سیداً ہو گیا تھا کہ جنگ کے جوش میں کہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی توہین نہ ہو جائے۔

[۷] احرام بھی من جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔ اس لیے شعار اللہ ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا گیا کہ جب تک تم احرام بند ہو، شکار کرنا خدا پرستی کے شعائر میں سے ایک شعار کی توہین کرنا ہے۔ البتہ جب شرعی قاعدہ کے مطابق احرام کی حدود ہو جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے۔

الْحَرَامُ أَنْ تَعْتَدُ دُواً مَّوْتَأْوِيَّا عَلَى الْبَرِّ وَالْتَّقْوَىٰ صَ وَلَا تَعَاوِنُوا
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدُوانِ صَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَاللَّهُرْ وَلَحْمُ الْخَنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ
اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنَقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَّةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا
أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَرْتُمْ فَوَمَا ذَبَحَ عَلَى النِّصْبِ وَأَنْ تَسْتَقِسِهَا

غصہ تمہیں اتنا منتقل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں نارواز یاد تیار کرنے لگو۔ [۸] نہیں! جو کام نیکی اور خدا تری کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔

تم پر حرام کیا گیا مردار، [۹] خون، سورہ کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا لکھ کھا کر مر اہو، یا جسے کسی درندے نے چھڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔ [۱۰] اور وہ جو کسی آستانے نے پر ذبح کیا گیا ہو۔ [۱۱] نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ

[۸] چونکہ کفار نے اس وقت مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا اور عرب کے قدمیں دستور کے خلاف حج تک سے مسلمان حromo کر دیے گئے تھے، اس لیے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کا فرقیوں کے راستے اسلامی مقتضیات کے قریب سے گزرتے ہیں، ان کو ہم بھی حج سے روک دیں اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں اس خیال سے باز رکھا۔

[۹] یعنی وہ جانور جو طبعی موت مر گیا ہو۔

[۱۰] یعنی جس کو ذبح کرتے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، یا جس کو ذبح کرنے سے پہلے یہ نیت کی گئی ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں دیوی دیوتا کی نذر ہے۔ (ملاحظہ ہوسورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۷)

[۱۱] یعنی جو جانور مذکورہ بالا حادث میں سے کسی حداثے کا شکار ہو جانے کے باوجود مرانہ ہو بلکہ کچھ آثار زندگی اس میں پائے جاتے ہوں، اس کو اگر ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، کوئی دوسرے طریقہ اس کو بلاک کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ ”ذبح“ اور ”ذکاة“ اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جھنکا کرنے والے گھومنے کیسی اور تدبیر سے جانور کو بلاک کرنے کا انتصان یہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رک کر رہا جاتا ہے اور وہ جگد جگد جم کر گوشت کے ساتھ چھٹ جاتا ہے۔ بر عکس اس کے ذبح کرنے کی صورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیکھ باتی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون ٹھنٹھ کر باہر آ جاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا گوشت خون سے صاف ہو جاتا ہے۔ خون کے متعلق ابھی اور ہی یہ بات گز رچکی ہے کہ وہ حرام ہے، لہذا گوشت کے پاک اور حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خون اس سے جدا ہو جائے۔

**بِالْأَزْلَامِ ذِلِّكُمْ فُسُوقٌ الْيَوْمَ يَبْيَسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ
فَلَا تَخْشُوهُمْ وَأَخْشُونَ الْيَوْمَ أَكْمَلُتُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَأَتَمَّتُ**

پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسم معلوم کرو۔^[۱۴] یہ سب افعال فتنہ ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈر بکھر مجھ سے ڈرو۔^[۱۵] آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت

[۱۶] اصل میں لفظ ”نُصُب“، ”استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نظر و نیاز پڑھانے کے لیے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہوا، خواہ وہاں کوئی پھر یا لکڑی کی صورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ آستانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یاد بیوتا سے، یا کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے وابستہ ہو۔ ایسے کسی آستانے پر زندگی یا ہوا جانور بھی حرام ہے۔

[۱۷] اس مقام پر یہ بات خوب سمجھ لئی چاہیے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کی جو قیود شریعت کی طرف سے عائد کی جاتی ہیں، ان کی اصل بنیاد ان اشیاء کے طبی فوائد یا نقصانات نہیں ہوتے، بلکہ ان کے اخلاقی فوائد و نقصانات ہوتے ہیں۔ جہاں تک طبیعی امور اور طبی حقائق کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کی اپنی سماں و حسخوار کاوش و تحقیق پر چھوڑ دیا ہے۔

[۱۸] اس آیت میں جس چیز کو حرام کیا گیا ہے اس کی تین بڑی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے:
(۱) مشرکانہ فال گیری، جس میں کسی دیوبی یاد بیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے، یا غیب کی خبر یا فات کی جاتی ہے، یا باہمی نزعات کا تعفیہ کرایا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ میں اس غرض کے لیے کعبہ کے اندر بدل دیوتا کے بت کو مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر کھے ہوئے تھے جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کنہے تھے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو، یا کوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہو، یا خون کے مقدمہ کا فیصلہ مطلوب ہو، غرض کوئی کام بھی ہو، اس کے لیے بدل کے پانسدار (صاحب القداح) کے پاس پہنچ جاتے، اس کا نذر ان پیش کرتے اور بدل سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملہ کا فیصلہ کرو۔ پھر پانسدار ان تیروں کے ذریعے سے فال نکالتا، اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھتے ہوئے لفظ بدل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

(۲) توہم پر استانہ فال گیری، رمل، نجوم، جفر، مختلف قسم کے شگون اور پختہ، اور فال گیری کے بے شمار طریقے اس صفت میں داخل ہیں۔

(۳) جوئے کی قسم کے وہ سارے کھیل اور کام جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدارحتوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً اٹڑی یا منع۔
ان تین اقسام کو حرام کر دینے کے بعد قرع اندازی کی صرف وہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔

[۱۹] ”آج“ سے مراد کوئی خاص دن اور تاریخ نہیں ہے بلکہ وہ دور یا زمانہ مراد ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ ہماری زبان میں بھی آج کا لفظ زمانہ حال کے لیے عام طور پر بولا جاتا ہے۔

”کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے، یعنی اب تمہارا دین ایک مستقل نظام ہن چکا ہے اور خود اپنی حاکمانہ طاقت کے ساتھ نافذ و قائم ہے۔ کفار جواب تک اس کے قیام میں مانع و مزاحم رہے ہیں، اب اس طرف سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ اسے مٹا سکیں گے اور تمہیں پھر پچھلی جاہلیت کی طرف واپس لے جاسکیں گے۔“ لہذا تم ان سے نہ ڈر بکھر مجھ سے ڈرو، یعنی اس دین کے احکام اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے میں اب کسی کافر طاقت کے غائب و قہر اور در اندازی و مراحت کا خطرہ تمہارے لیے باقی نہیں رہا ہے۔

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامُ دِينًا طَقْمَنْ اضْطَرَّ فِي
مَخْصَصَةِ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لَا تُثِيرُ لَفَائِنَ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَسْئَلُونَكَ
مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الظَّبَابُ لَا وَمَا عَلِمْتُمْ مِنَ الْجَوَافِ

تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (الہد احرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو)،^[۱۹] البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہوتے شک اللہ معاف کرنے والا اور حرم فرمانے والا ہے۔^[۲۰]

لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے، کہو تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اور حنفی شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو۔^[۱۸]

انسانوں کے خوف کی اب کوئی وجہ نہیں رہی۔ اب تھیں خدا سے ڈرنا چاہیے کہ اس کے احکام کی قسمیں میں اگر کوئی کوتاہی تم نے کی تو تمہارے پاس کوئی ایسا عندر نہ ہوگا جس کی بنا پر تمہارے ساتھ کچھ بھی نرمی کی جائے۔ اب شریعت الہی کی خلاف ورزی کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ تم دوسروں کے اثر سے مجبور ہو، بلکہ اس کے صاف مقنی یہ ہوں گے کہ تم خدا کی اطاعت کرنا نہیں چاہتے۔^[۲۱]

[۱۹] دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر و عمل اور ایک مکمل نظام تہذیب و تدنی بنادینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ فتح تمام کرنے سے مراد فتح ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے۔ اور اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جواہر قرار کیا تھا، اس کو چونکہ تم اپنی سمعی عمل سے سچا اور مخلصان اقترا عتابت کر رکھے ہو، اس لیے میں نے اسے درج قبولیت عطا فرمایا ہے اور تمہیں عملاً اس حالت کو پہنچا دیا ہے کہ اب فی الواقع میرے سوا کسی کی اطاعت و بندگی کا جو تمہاری گردنوں پر باقی نہیں رہا۔ اب جس طرح اعتقاد میں تم میرے مسلم ہو اسی طرح عملی زندگی میں بھی میرے سوا کسی اور کے مسلم بن کر بنے کے لیے کوئی مجبوری تھیں لاحق نہیں رہی ہے۔^[۲۲]

[۲۱] ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ ۱۷۲۔

[۱۸] پوچھنے والوں کا مقصود یہ تھا کہ انہیں تمام حلال چیزوں کی تفصیل بتائی جائے تاکہ ان کے سواہر چیز کو وہ حرام بھیں۔ جواب میں قرآن نے حرام چیزوں کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد یہ عام ہدایت دے کر چھوڑ دیا کہ ساری پاک چیزیں حلال ہیں۔ اس طرح قدیم نہیں نظریہ بالکل اٹھ گیا۔ قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بھر جاس کے جسے حلال ٹھیک رایا جائے۔ قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے بھر جاس کے جس کی حرمت کی تصریح کردی جائے۔ یہ ایک بہت بڑی اصلاح تھی جس نے انسانی زندگی کو بندشوں سے آزاد کر کے دنیا کی وسیعتوں کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔

حلال کے لیے ”پاک“ کی قید اس لیے لگائی کہ ناپاک چیزوں کو اس عام اباحت کی دلیل سے حلال ٹھیک رانے کی کوشش نہ کی جائے۔ اب رہایہ سوال کہ اشیاء کے ”پاک“ ہونے کا تین سی طرح ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیزیں اصول شرع میں سے کسی قاعدے کے ماتحت ناپاک قرار پائیں، یا جن چیزوں سے ذوق سلیم کراہت کرے، یا جنہیں مہذب انسان نے بالعموم اپنے فطری احساس نظافت کے خلاف پایا ہو، ان کے ماسو اس سب کچھ پاک ہے۔

۱۰ مُكَلِّبِينَ تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلِمْتَكُمُ اللَّهُ أَعْلَمُ فَكُوْمَا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ
۱۱ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ صَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۱۲
۱۳ الْيَوْمَ أُجْلَى لَكُمُ الظَّلِيقَاتُ طَعَامُ الظَّالِمِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ حِلٌّ
۱۴ لَكُمْ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْحَصَنَتُ مِنَ الْمُؤْمِنِتِ وَالْمُحْصَنَاتِ

جن کو خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو بھی تم کھا سکتے ہو، [۱۹] ابتدی اس پر اللہ کا نام لے لو [۲۰] اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو، اللہ کو حساب لیتے دینیں لگتی۔

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے [۲۱] اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان

[۱۹] شکاری جانوروں سے مراد کتے، چیتے، باز، شکرے اور تمام وہ درندے اور پرندے ہیں جن سے انسان شکار کی خدمت لیتا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کا شکار کرتا ہے اسے عام درندوں کی طرح پھاڑنیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا چھاڑا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے درندوں کا شکار حلال۔

[۲۰] یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہو۔

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ ملے تو پھر خدا کا نام لے کر اسے ذبح کر لینا چاہیے اور اگر زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر ہی وہ حلال ہو گا، کیونکہ ابتداءً شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا پکھا تھا۔ یہی حکم تیر کا بھی ہے۔

[۲۱] اہل کتاب کے کھانے میں ان کا ذیجہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے ان کا اور ان کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی چھوٹ چھات نہیں ہے۔ ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ۔ لیکن یہ عام اجازت دینے سے پہلے اس فقرے کا اعادہ فرمادیا کیا ہے کہ ”تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر پاکی و طہارت کے ان قوانین کی پابندی نہ کریں جو شریعت کے نقطہ نظر سے ضروری ہیں، یا اگر ان کے کھانے میں حرام چیزیں شامل ہوں تو اس سے پر بھیز کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ خدا کا نام لیے بغیر کسی جانور کو ذبح کریں، یا اس پر خدا کے سوا اسی اور کا نام لیں، تو اس کھانا ہمارے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ان کے دسترخوان پر شراب یا سور یا کوئی اور حرام چیز ہو تو ہم ان کے ساتھ پھریک نہیں ہو سکتے۔

اہل کتاب کے سواد و سرے غیر مسلموں کا بھی بھی حکم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ذیجہ اہل کتاب ہی کا جائز ہے جب کہ انہوں نے خدا کا نام اس پر لیا ہو، وہ ہر غیر اہل کتاب، تو ان کے ہلاک یہے ہوئے جانور کو ہم نہیں کھا سکتے۔

مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُشَخِّذِينَ أَخْدَانِ وَمَنْ يَكْفُرُ
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَيَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُنِتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُءِ وَسِكْمُ
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۝ وَإِنْ كَنْتُمْ جُنْبًا فَاطْهَرُوا طَوَانْ

قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، [۲۲] بشرطیکہ تم ان کے مہرا دا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنا یاں کرو۔ اور جو کسی نے ایمان کی روشن پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا۔ [۲۳]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹھنڈوں تک دھولیا کرو۔ [۲۴] اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہ کر پاک ہو جاؤ۔ [۲۵]

[۲۲] اس سے مراد یہود اور نصاری ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگادی گئی ہے کہ وہ محصنات (محفوظ عورتیں) ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقهاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباس کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔ رہے دارالحرب اور دارالکفر کے یہود اور نصاری، تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ حنفیہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ورنی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن الحسیب اور حسن بصری اس کے قائل ہیں کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے لہذا ذمی اور غیر ذمی میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر محصنات کے مفہوم میں بھی فقهاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے مراد پاک دامن، عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بتا پر وہ اہل کتاب کی آزاد مشعرتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دینے ہیں۔ یہی رائے حسن، شعیؓ اور ابراہیم تخریجی کی ہے اور حنفیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ لونڈیوں کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو لونڈیاں نہ ہوں۔

[۲۳] اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے کے بعد یہ فقرہ اس لیے تعبیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اس کے اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے ایمان و اخلاق کی طرف سے ہوشیار ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کافر یا بیوی کے عشق میں مبتلا ہو کر یا اس کے عقائد اور اعمال سے متاثر ہو کرو وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، یا اخلاق و معاشرت میں ایسی روشن پر چل پڑے جو ایمان کے منافی ہو۔

[۲۴] نبی ﷺ نے اس حکم کی جو تشریع فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ دھونے میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے، بغیر اس کے منہ کے عسل کی تخلیل نہیں ہوتی۔ اور کان چونکہ سر کا ایک حصہ ہے اس لیے سر کے مسح میں کافیوں کے اندر ورنی ویروںی حصوں کا مسح بھی شامل ہے۔ نیز دھو شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھولینے چاہیں تاکہ جن باتھوں سے آدمی وضو کر بآہوہ خود پہلے پاک ہو جائیں۔

[۲۵] جنابت خواہ مباشرت سے لاحق ہوئی ہو یا خواب میں ماذہ منویہ خارج ہونے کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں عسل